تدوینِ فقہ[1]

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

از

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

تعقل و تفقہ | آج ہمارے پاس علوم و فنون کا جو ذخیرہ ہے، عام طور پر ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عقلیات و نقلیات، جن علوم کے مسائل و معلومات کو براہِ راست عقل حاصل کرتی ہے ان ہی کی تعبیر عقلیات سے کی جاتی ہے اور اس کے بالمقابل یہ سمجھا جاتا ہے کہ عقلی جد و جہد کے جو علوم رہینِ منت نہیں ہیں وہ نقلیات ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ جن علوم پر "نقلیات" کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے، گویا ان کا عقل سے کوئی سروکار نہیں۔ عقل و نقل کی یہ پرانی بحث اتنی قدیم ہے، جتنی کہ خود انسانی علوم و فنون کی تاریخ مگر با دنیٰ تامل واضح ہو سکتا ہے کہ جس دعوی پر اس تقسیم کی بنیاد قائم ہے وہ کتنی بے بنیاد ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عقل کے متعلق یہ دعوی کرنا کہ وہ بھی براہ راست معلومات حاصل کرتی ہے کبھی عقل والوں نے اس پر بھی غور کیا کہ ان کا یہ دعوی کہاں تک صحیح ہے۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ پر تنبیہ کرتے ہوئے فتوحات مکیہ کے مختلف مقامات میں سے ایک مقام پر لکھا ہے

لیس فی قوۃ العقل من حیث ذاتہ ادراک شئی (ص ۳۷۶ ج ۱) | بذاتِ خود عقل میں کسی چیز کے دریافت کرنے کی قوت نہیں ہے۔

---

[1] جامعہ عثمانیہ کے توسیعی خطبات کے سلسلہ میں نائب امیر جامعہ عالیجناب قاضی محمد حسین صاحب کے حکم سے یہ مقالہ سنایا گیا۔

بظاہر شیخ کا یہ دعویٰ عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن کیا کیجئے کہ جو کچھ شیخ نے لکھا ہے وہی واقعہ بھی ہے، ہم اس کو مثال سے سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ شیخ ہی نے سمجھایا ہے۔

فلا یعرف الخضرة ولا الصفرة	عقل نہ سبز رنگ کو جان سکتی ہے نہ زرد کو نہ نیلے رنگ کو
ولا الزرقة ولا البیاض ولا	نہ سفیدی کو نہ سیاہی کو، نہ ان رنگوں کو جو سفیدی اور
السواد ولا ما بینھما من الالوان	سیاہی کے درمیانی مدارج سے پیدا ہوتے ہیں، جب تک
ما لم ینعم البصر علی العقل	قوت بینائی کی طرف سے ان چیزوں کے علم کا
بھا۔	عقل کو انعام نہ ملے۔

اور جس طرح عقل ان الوان اور رنگوں کا علم براہِ راست حاصل نہیں کر سکتی جب تک قوتِ بینائی اس کی امداد نہ کرے شیخ فرماتے ہیں کہ بجنسہ اسی طرح مختلف اصوات اور آوازوں کے علم میں بھی عقل قوت شنوائی کی محتاج ہے، فرماتے ہیں۔

جعل العقل فقیرا الیه یستمد	(آوازوں کے باب میں بھی) عقل قوت شنوائی کی فقیر ہے
معرفة الاصوات وتقطیع الحروف	اسی سے مدد طلب کر کے عقل آوازوں کو جانتی ہے، حروف کو
وتغیر الالفاظ وتنوع اللغات	جو باہم ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں الفاظ میں جو
فیفرق بین صوت الطیر و	تغیر پیدا ہوتا ہے مختلف قسم کے لغات میں جو فرق ہے، ان
ھبوب الریاح وصریر الباب و	ساری باتوں کے علم میں عقل (کان) ہی سے مدد چاہتی ہے
خریر الماء وصیاح الانسان وثغاء	اسی کے ذریعہ سے وہ پرندوں کی آواز، آندھیوں کے شور
الشیاہ وثواج الکباش وخوار البقر	دروازے کی کھٹکھٹاہٹ، پانی کے بہاؤ کی آواز آدمی کے
ورغاء الابل وما اشبہ ھذہ	منہ کی آواز، بکریوں کے چلانے، مینڈھوں کی پکار گائے
الاصوات کلھا۔	بیل کی منہ کی آواز، اونٹ کی بلبلاہٹ اور اس قسم کی تمام آوازوں کا علم حاصل کرتی ہے

شیخ اسی کے بعد فرماتے ہیں۔

ولیس فی قوة العقل من حیث	ان آوازوں میں کسی آواز کے براہ راست جاننے کی

ذاتہ ادراک شی من ھذا الالم	عقل میں قطعاً صلاحیت نہیں ہے جب تک کہ قوتِ
یوصلہا الیہ السمع۔	شنوائی ان آوازوں کو اس تک نہ پہنچائے۔

اور کچھ ان ہی قوتوں پر مدار نہیں ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی آدمی ایسا پیدا ہو جو کامل اور تام عقل رکھنے کے باوجود ہر قسم کے حواس سے محروم ہو تو اس ذاتی اور حضوری علم کے سوا کہ" میں موجود ہوں" اور کسی قسم کے معلومات کا اس میں ہونا ناممکن ہے، خواہ اس کو دنیا میں جتنے دن بھی زندہ رہنے کا موقع دیا جائے اور جس صفت کی تعبیر ہم عقل سے کرتے ہیں، اس کی بڑی سے بڑی مقدار کا وہ حصہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

پس صحیح بات یہی ہے کہ براہ راست کسی چیز کے جاننے اور معلومات کے فراہم کرنے کا مادہ عقل میں قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا ہے بلکہ فراہمی معلومات کا کام تو آدمی کے حواس انجام دیتے ہیں، البتہ جب معلومات کا سرمایہ عقل کے سامنے حواس پیش کر چکتے ہیں تب ان حسی معلومات کو عقل قبول کرتی ہے اور تحلیل و تجزیہ، ترکیب و تصفیف وغیرہ اپنے عملی کرتبوں سے ان چند محدود معلومات سے قوانین و اصول نظریات و مسائل کا سیلِ جرار جاری کر دیتی ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں۔

فقد علمنا ان العقل ماعندہ	تو اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ بذاتِ خود عقل میں کسی قسم
من حیث نفسہ علم وان	کا کوئی علم نہیں ہوتا، باقی پھر عقل جن معلومات کو
الذی یکتسبہ من العلوم	حاصل کرتی ہے تو یہ اس کا نتیجہ نہیں ہے کہ عقل میں دریافت
انما ھو من کونہ عندہ صفۃ	کرنے کا مادہ ہے بلکہ اس میں (معلومات) کے قبول
القبول۔	کرنے کی جو صفت ہے یہ اس کا نتیجہ ہے۔

کوئی شبہ نہیں کہ "علم و معرفت" کے سلسلہ میں عقل کا یہی صحیح مقام ہے۔ حکیم الشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے غالباً اسی حقیقت کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

فروغِ دانشِ ما از قیاس ست　　　قیاسِ ما ز تقدیرِ حواس ست

پس یہ دعویٰ کہ بعض علوم میں معلومات براہِ راست عقل کے ذریعہ سے بھی حاصل کئے جاتے ہیں، یہ ان ہی عام غلطیوں میں سے ایک ایسی غلطی ہے جو کسی طرح ابتدا میں آدمی کو لگ گئی، اور خشت اول کی غلطی سے اگر اس کے بعد "ثریا" تک غلطیوں کی دیوار کھڑی ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ حضرت شیخ نے لکھا ہے۔

فھذا من اعجب ما طرئ — دنیا میں جو غلطیاں واقع ہوئی ہیں ان تمام اغلاط میں
فی العالم من الغلط — یہ عجیب تر غلطی ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ بجائے خود "عقل" میں کسی چیز کے جاننے کی صلاحیت نہیں ہے فراہمی معلومات، یہ اس کا سرے سے کام ہی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ معلومات اس کو باہر ہی سے حاصل کرنے پڑتے ہیں۔

پھر یہی معلومات اگر حواس کی راہ سے حاصل ہوتے ہیں، اور عقل جب ان معلومات پر کام کرتی ہے، ان کی روشنی میں جزئیات سے کلیات بناتی ہے تو اسی کا اصطلاحی نام "تعقل" ہے لیکن بجائے حواس کے یہی معلومات جب وحی و نبوت کی راہ سے عقل کو میسر آتے ہیں اور اپنے فطری فرائض کے ساتھ جب ان میں وہ ڈوبتی ہے ان معلومات سے نتائج و نظریات، تفریعات و جزئیات پیدا کرتی ہے تو اسی کا اصطلاحی نام "تفقہ" ہے۔

اسی لئے میرے نزدیک علوم کی عقلی و نقلی تقسیم قطعاً غلط ہے کیونکہ دنیا کا کوئی علم کوئی فن بھی ہو جیسا کہ معلوم ہوا، کسی کی معلومات براہِ راست عقل سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ ہر حال میں حصول معلومات کے لئے عقل اپنے سوا دوسری قوتوں کی محتاج و فقیر ہے، خواہ وہ دوسری قوت حواس ہوں یا حواس نہیں وحی و نبوت کے ذرائع ہوں، اسی لئے حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ دونوں صورتوں میں اگر کچھ فرق ہے تو یہی کہ حواس کے فراہم کردہ معلومات پر جب بھروسہ کر کے عقل کام کرتی ہے تو اس وقت وہ ایسی قوتوں کی تقلید کرتی ہے جو

محدث مثلہ وقوۃ من قوی — اسی جیسی نو پیدا قوتوں میں ایک قوت ہوتی ہے جنھیں خدا

الانسان التی خلقہا اللہ	نے انسان میں پیدا کیا ہے ان ہی قوتوں کو حق تعالیٰ
فیہ وجعل تلک القوۃ	نے عقل کا خادم بنا دیا ہے، اور اسی لئے اپنے سارے
خدیمۃ للعقل فیقلدھا	کاروبار میں عقل انسان کی ان ہی نوزائیدہ قوتوں کی
العقل فیما تعطیہ۔	تقلید کرتی ہے یعنی جو کچھ یہ قوتیں (حواس) دیتی ہیں،
	ان ہی کو مان کر پھر ان پر غور وفکر کرتی ہے۔

لیکن بجائے حواس کے فراہم کردہ معلومات کے وحی ونبوت کے سرمایۂ معلومات پر جب عقل کام کرتی ہے تو گو اس وقت بھی وہ اپنے سوا بیرونی قوت ہی سے امداد حاصل کر رہی ہے اور اسی کی تقلید کر رہی ہے لیکن اس وقت وہ

یقلد ربہ فیما یخبر بہ	اپنے رب کی تقلید ان امور میں کرتی ہے جن کی خدا
عن نفسہ فی کتابہ وعلی	نے اپنی ذات کے متعلق خود اپنی کتاب میں اور اپنے
لسان رسولہ۔	رسول کے ذریعہ خبر دی ہے۔

مطلب یہی ہوا کہ براہِ راست معلومات تک رسائی تو کسی حال میں عقل کو میسر نہیں آتی بلکہ اپنے فکری ونظری عمل کے لئے بہرحال وہ باہر ہی کی محتاج ہے، اس لئے نفس عقل کی حد تک ان نتائج ونظریاتِ مسائل وافکار میں قیمتاً کوئی فرق نہیں ہے۔ قیمت کا فرق ان میں جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے وہ ان معلومات کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے جو عقل پر باہر سے پیش ہوتے ہیں۔ گویا عقل کی حیثیت ایک مشین کی ہے جو انسانی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت ہے آپ اس مشین یا کولھو میں جس قسم کے دانے ڈالیں گے انھیں پیس کر رکھ دیگی، پھر آپ نے جس قسم کے دانے اس میں ڈالے ہیں جیسا تیل ان کے اندر ہوگا وہی پسنے کے بعد نکل پڑے گا۔ اگر میٹھا تیل ہے تو وہی نکلے گا، تلخ ہے تو تلخ ہی برآمد ہوگا، کچھ نہ ہوگا تو دانے پس کر رہ جائیں گے، اور کچھ نہ نکلیگا۔ گویا ان معلومات کی جو باہر سے عقل پر پیش ہوتے ہیں، ان کی مثال ان دانوں کی ہوئی جو عقلی مشین میں ڈالے جاتے ہیں، ہر قسم کے دانے پر عقل کا کام تو وہی ہوگا جس کی صلاحیت

اس میں قدرت نے پیدا کی ہے۔ اس عقلی کاروبار کے بعد جو نتائج ہاتھ آئیں گے ان کی قیمت لگانے کے لئے چاہیئے کہ آدمی ان دانوں کو دیکھے جو اس عقلی مشین میں ڈالے گئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہی ہے کہ ایسی صورت میں جو نتائج ان معلومات سے حاصل ہوتے ہیں جن کا رشتہ حضرت حق تعالیٰ کے علم محیط سے ملا ہوا ہے، ان میں اور ان نتائج میں جو عقل ہی جیسی ایک اور جسمانی قوت مثلاً بینائی شنوائی وغیرہ کے حاصل کردہ معلومات سے پیدا ہوتے ہیں، دونوں میں اب اندازہ کرنا چاہیئے کہ کیا فرق ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ جن معلومات کو وحی و نبوت کے معلومات کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے وہ واقع میں وحی و نبوت کے معلومات ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل علیحدہ بحث ہے۔ لیکن یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ واقع میں وحی و نبوت کی راہ سے یہ معلومات حاصل ہوئے ہیں یعنی عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سے عقلِ انسانی کو یہ معلومات عطا ہوئے ہیں۔ اس پر ایمان لانے کے بعد ان نتائج میں جو حسی معلومات سے عقل پیدا کرتی ہے اور ان نتائج میں جو وحی و نبوت کے معلومات سے اسی عقل نے پیدا کیا ہے، ثقل و وزن، وثوق و اعتماد کے اعتبار سے جو فرق پیدا ہو سکتا ہے ظاہر ہے۔

بہرحال یہ تو شیخ کے کلام کا مطلب ہوا، اس وقت میری بحث کے دائرہ سے یہ مسئلہ خارج ہے۔ اس لئے اس پر زیادہ تفصیل سے گفتگو اگر کی گئی تو اپنی اصل بحث سے میں بہت دور ہو جاؤں گا، ایک اشارہ کیا گیا ہے؛ ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

مجھے اس وقت جو کچھ کہنا تھا وہ صرف یہی ہے کہ حسی معلومات پر جس طرح عقل عمل کرتی ہے اور چند بسیط و محدود معلومات سے جو حواس اس پر پیش کرتے ہیں، نتائج و نظریات، مباحث و مسائل کا طوفان پیدا کر دیتی ہے۔ بجنسہٖ یہی حال ان معلومات کا ہے جو وحی و نبوت کی راہ سے عقل پر پیش ہوتے ہیں، عقلِ انسانی ان معلومات کی روشنی سے بھی جب جگمگا اٹھتی ہے تو ٹھیک

جس طرح حسی معلومات سے نتیجہ سے نتیجہ، قانون سے قانون پیدا ہوتا چلا جاتا ہے، یونہی وحی و نبوت کے معلومات سے بھی نتائج وتفریعات کا سمندر ابلنے لگتا ہے، عقلی اجتہاد وکوشش کے یہ دونوں سلسلے تعقل ہی کے یعنی انسانی فطرت کے اسی خصوصی جوہر لطیف کا کارنامہ ہے جسے ہم "عقل" یا "قوت عقلیہ" وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں، البتہ حدیث وقرآن کے بعض اشارات ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا وحی ونبوت کے متعلق عقل جو کام انجام دیتی ہے، بجائے تعقل کے اس کا نام تفقہ رکھدیا گیا ہے ورنہ تفقہ اور تعقل میں نفس عقلی کاروبار کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے۔

عقل ودین | اسی لئے ان لوگوں پر حیرت ہے جو خواہ مخواہ بے سوچ سمجھے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ عقل ودین دو متقابل چیزیں ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا گویا کچھ ایسا باور کرلیا گیا ہے، کہ دین کو عقل سے کوئی لگاؤ نہیں یوں ہی عقل کو دین سے کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں بالکل دو علیحدہ علیحدہ جداگانہ چیزیں ہیں لیکن واقعہ کی جو اصل نوعیت تھی جب واضح ہوچکی ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان دونوں میں تصادم وتقابل کا جو مشہور افسانہ ہے صرف افسانہ بن کر رہ جاتا ہے، عقل بیچاری تو دونوں ہی کی خادم ہے۔ ان معلومات کی بھی جنھیں ہم حواس سے حاصل کرتے ہیں اور ان معلومات کی بھی جو وحی ونبوت کی راہ سے حضرت علام الغیوب نے ہمیں عطا کئے ہیں۔

عقلی اجتہاد یا تفقہ انسان کی فطری خصوصیت ہے | بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جانوروں اور انسانوں میں جہاں اور بہت سے امتیازی وجوہ وفصول ہیں ان میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر یعنی حیوانات اگرچہ حواس کی راہ سے انھیں بھی معلومات حاصل ہوتے ہیں یعنی وہ بھی دیکھتے ہیں جس طرح آدمی دیکھتا ہے، وہ بھی سنتے ہیں جس طرح آدمی سنتا ہے۔ الغرض کھلی ہوئی بات ہے کہ احساسی قوتوں کی حد تک جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کے امتیازی حدود اس کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حسی معلومات جن

بسیط حالات کے ساتھ حیوانات کو ملتے ہیں، آج لاکھوں برس گذر جانے کے بعد بیل ہوں یا گھوڑے، گدھے ہوں یا کتے، ان میں سے کسی کو ان معلومات سے جو نتائج اور قوانین و کلیات پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی، ان کی آنکھوں کے سامنے بھی یہی آفتاب یہی ماہتاب یہی ستارے، یہی سیارے تھے، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ بیلوں کے جدامجد نے سر اٹھا کر آج سے لاکھوں سال پہلے کرۂ خورشید کو دیکھا تھا، اب بھی ان کا کام اس سے آگے نہیں بڑھا ہے، مگر اسی کے مقابلہ میں آدم کی اولاد ہے کہ اسی آفتاب اسی، ماہتاب، ان ہی ستاروں اور سیاروں کو دیکھ کر جنھیں ساری دیکھنے والی ہستیاں دیکھ رہی ہیں۔ اس نے اسٹرانومی، علم ہیئت نجوم اور خدا جانے کتنے علوم پیدا کر لئے جن میں ہر علم بجائے خود ایک بے تہاہ سمندر کی کیفیت رکھتا ہے۔

پھر حسی معلومات کے محدود سرمایہ سے آدمی کی عقل جب علم کے ان دریاؤں کو نکال رہی ہے، کوئی وجہ ہو سکتی ہے کہ جو معلومات اسی انسان کو وحی و نبوت کی راہ سے عطا ہوئے ہیں، ان سے پیدا ہونے والے نتائج سے وہ اسی طرح اندھا بنا رہتا، جیسے حسی معلومات کے نتائج سے بیل اور گھوڑے گدھے اور کتے اندھے بنے ہوئے ہیں، یقیناً آدمی بہرحال آدمی ہے وہ نہ بیل تھا نہ ہے نہ بن سکتا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ انسان سے اس غباوت اور کوڑمغزی کی توقع کرتے ہیں انھوں نے کبھی انسان کی فطرت پر بھی غور کیا ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ جن نتائج کو عقل انسانی نے کل پیدا کیا تھا، آج ثابت ہو جائے کہ غلط تھے۔ لیکن حسی معلومات ہوں یا وحی و نبوت کے معلومات ان کے متعلق آدمی سے اس کی توقع کرنا کہ جو نتائج ان سے پیدا ہو سکتے ہیں ان پر غور نہ کرے، انھیں نہ سوچے، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ قیاس نہ کرے اجتہاد سے باز آجائے یہ قطعاً ایک غیر فطری مطالبہ ہے، ایک ایسا مطالبہ جو بجائے انسانوں کے صرف جانوروں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ وحی و نبوت کے معلومات جن کی عام تعبیر دین و مذہب کے لفظ سے کی جاتی ہے، جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں قیاس جائز نہیں، یہ حکم اس مذہب

کے متعلق تو صحیح ہو سکتا ہے جو کسی حیوان کو عطا کیا گیا ہو، لیکن ایک ایسے عقلی وجود کا مذہب جس کا نام انسان ہے، اس کے مذہب کے متعلق بھی یہی رائے رکھنی جہاں تک میں خیال کرتا ہوں یہ انسانی فطرت کے متعلق غلط اندازہ یا اس کے خصوصیات سے لاپروائی کا نتیجہ ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے، یہی دعویٰ کہ مذہب میں قیاس کی گنجائش نہیں ہے اسی کے اثبات میں سارا زور جو خرچ کیا جاتا ہے وہ عقل وقیاس ہی کا زور ہوتا ہے۔ قیاس کے ذریعہ سے قیاس کی تغلیط اپنے دعویٰ کو خود اپنے دعویٰ ہی کے ذریعہ سے باطل کرنے کی بہترین مثال ہے۔ خیر اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کے متعلق تو ابھی آپ بہت کچھ سنیں گے بالفعل صرف "فقہ" کے لفظ کی تشریح میرے پیش نظر ہے۔ یہ کہنا ہے کہ حسی معلومات پر عقل جو کام کرتی ہے وہی کام وحی نبوت کے معلومات کے متعلق عقل جب انجام دیتی ہے تو اسی کا تفقہ واجتہاد نام ہے۔ السیوطی نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں علم فقہ کے متعلق بالکل صحیح لکھا ہے کہ:۔

ان الفقہ معقول من منقول۔ [۱]	فقہ ایک عقلی علم ہے جو منقول (یعنی وحی ونبوت کے معلومات) سے حاصل کیا گیا ہے۔

اور یہ تو ایک اجمالی اشارہ ہے، فقہ حنفی کی مشہور انسائیکلوپیڈیا یعنی الحاوی جو حاوی قدسی کے نام سے بھی مشہور ہے اس سے صاحب بحر الرائق نے لفظ "فقہ" جو تفقہ کا مادہ ہے اس کی لغوی اور اصطلاحی تشریح ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

اعلم ان معنی الفقہ فی اللغۃ الوقوف والاطلاع، وفی الشریعۃ علی الوقوف الخاص وھو الوقوف علی معانی النصوص واشاراتھا ودلالاتھا ومضمراتھا ومقتضیاتھا	معلوم ہونا چاہئے کہ لغت میں واقف ہونا اطلاع پانا یہی فقہ کے معنی ہیں اور شریعت میں خاص قسم کی واقفیت کا نام تفقہ ہے یعنی نصوص شرعی کے معانی سے اور ان کے اشاروں سے جن چیزوں پر وہ دلالت کرتے ہوں ان سے ان کے مضمرات سے اور جو کچھ ان کا اقتضا ہو

[۱] الاشباہ النظائر ج اص ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔

"والفقیہ" اسم للواقف علیہ [1]

ان سب سے واقف ہونا یہ تو فقہ ہے اور ان امور سے جو واقف ہو اسی کا نام فقیہ ہے۔

مطلب وہی ہے کہ "النصوص" یعنی وحی و نبوت کے معلومات خواہ الکتاب (قرآن) سے حاصل ہوں، یا السنۃ (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و تقریرات) سے ماخوذ ہوں، ان ہی معلومات میں جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، یا جن کی طرف وہ راہنمائی کرتے ہوں، یا ان کے جامع و مانع الفاظ کی کلیت میں جو باتیں مضمر اور پوشیدہ ہوں یا جن امور کے وہ مقتضی ہوں، ان ہی چیزوں کا نام شرعی اصطلاح میں "الفقہ" ہے۔ اور جن کی عقل، وحی و نبوت کے معلومات سے ان نتائج کو پیدا کرتی ہے، ان ہی کو "الفقیہ" کہتے ہیں، جس کا حاصل یہی ہوا کہ "فقہ" کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ عقل کرتی ہے، بلکہ وہی بات یعنی نتائج و احکام کا جو روغن وحی و نبوت کے ان معلومات میں چھپا ہوا تھا عقل کی مشین ان ہی کو اپنی طاقت کی حد تک ان سے نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ اسی کوشش کا نام اجتہاد ہے۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات میں ایک مقام پر ارقام فرماتے ہیں۔

اعلم ان الاجتہاد ما ھو ان تحدث حکما ھذا غلط وانما الاجتہاد المشروع فی طلب الدلیل من کتاب او سنۃ او اجماع او فہم عربی علی اثبات حکم فی تلک المسئلۃ بذلک الدلیل الذی اجتہدت فی تحصیلہ العلم بہ فی زعمک ھذا ھو الاجتہاد [2]

یہ جاننا چاہئے کہ نئے سرے سے کسی حکم کا پیدا کرنا اجتہاد نہیں ہے یہ قطعاً غلط ہے شریعت میں جس اجتہاد کا اعتبار ہے وہ کتاب یا سنۃ سے دلیل تلاش کرنے میں جدو جہد کرنا ہے یا اجماع یا زبان عربی کے محاورات کی رہنمائی میں خاص مسئلہ میں کسی ایسے حکم کو ثابت کرنا جو اس دلیل سے پیدا ہوتا ہو، جس کی تلاش میں تم نے کوشش کی اور اپنے خیال میں اس حکم کا علم اسی دلیل سے تمہیں حاصل ہوا ہو، بس اسی کا نام "الاجتہاد" ہے۔

---

[1] بحر الرائق ج ۱ ص ۶۔ [2] ج ۳ ص ۶۵۶۔

شیخ نے اس کے بعد لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ اجتہاد اگر اس کا نام ہے کہ جو چیز دین میں نہ تھی اس کا اجتہاد کے ذریعہ سے دین میں اضافہ کیا جاتا ہے تو وہ قطعاً دین نہیں بلکہ بے دینی ہے فرماتے ہیں۔

فان الله تعالیٰ قال الیوم اکملت لکم دینکم وبعد ثبوت الکمال فلا یقبل الزیادة فان الزیادة فی الدین نقص فی الدین وذالک ھو الشرع الذی لم یأذن به الله۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا پس "الدین" کسی زیادتی کو قبول نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ دین میں اضافہ کی گنجائش تو دین کے نقص کے ہم معنی ہوگا اور یہی وہ شریعت ہے جس کا فرمان اللہ سے صادر نہیں ہوا ہے۔

الحاصل تفقہ ہو یا اجتہاد اس کے ذریعہ سے دین میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا بلکہ ان ہی چیزوں کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جن پر النصوص یعنی وحی ونبوت کے معلومات مشتمل ہیں۔ لیکن ٹھیک مشینوں کا قوت وضعف کے حساب سے جو حال ہوتا ہے مثلاً لیموں نچوڑنے کی کوئی ایسی مشین بھی ہوسکتی ہے کہ پوری طاقت خرچ کردینے کے بعد بھی لیموں میں عرق کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہو، اور ایسی بھی ہوسکتی ہے جو ایک ایک قطرہ کو نچوڑ کر رکھدے، بجنسہٖ یہی حال عقل کی اجتہادی قوتوں کا بھی ہے۔ حسی معلومات بھی آخر سب ہی کے حواس حاصل کرتے رہتے ہیں، اور کچھ نہ کچھ نتائج ان سے ہر وہ شخص حاصل کرتا ہے جو اپنے اندر عقل رکھتا ہے، لیکن اجتہادی طاقت کا اتنا پرزور ہونا کہ ان ہی معلومات کے سرمایہ سے جو تقریباً سب ہی پاس ہوتے ہیں، ایسے کلیات وقوانین کا پیدا کرنا جن سے کسی مستقل علم وفن کی بنیاد قائم ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں لیکن محض اس لئے کہ ہر عامی کا دماغ ان حسی معلومات کے ذریعہ سے ان نتائج تک چونکہ نہیں پہنچ سکا، جہاں تک مثلاً نیوٹن اڈیسن مارکونی کے عقول پہنچے، محض اس وجہ سے کیا عامیوں کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ نتائج جو ان حکما اور موجدین کے دماغوں نے نکالے ہیں وہ حسی معلومات کی پیداوار نہیں ہیں، پس جو حال حسی

معلومات سے نتائج پیدا کرنے میں مختلف عقلوں کی اجتہادی قوتوں کا ہے، ظاہر ہے کہ وحی و نبوت کے معلومات میں بھی انسانی عقول کی اجتہادی قوتوں کے تفاوتِ عمل و اثر کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے مشہور حدیث۔

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثا	تر و تازہ رکھے اللہ اس شخص کو جس نے ہم سے ہماری کوئی
فاداہ کما سمعہ فرب	بات سنی تا کہ جس طرح سنا تھا اسی طرح سے ادا کرے کیونکہ
حامل فقہ غیر فقیہ ورب	بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا خود فقیہ
حامل فقہ الی من ھو	نہیں ہوتا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فقہ کا بار اٹھانے والا اسے
افقہ منہ۔ [1]	ایسے آدمی تک پہنچاتا ہے جو اس سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہے

اس حدیث میں پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانی عقول کے اسی تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر جس طرح قوائے دماغی کے اس تفاوت کا انکار فطرت کے قانون کا انکار ہے اسی طرح وحی و نبوت کی معلومات کے ایسے نتائج جن تک عام عقول کی رسائی نہیں ہو سکتی، کیا یہ دعوے صحیح ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ وحی و نبوت کے معلومات سے ماخوذ نہیں ہیں۔

آپ کی مشین کسی لیموں سے اس کے سارے رس کو نچوڑ کر اگر باہر نہیں نکال سکتی اور اس سے طاقتور مشین نے لیموں کی ان ہی قاشوں سے جنھیں آپ نے ثفل سمجھ کر پھینک دیا تھا، اگر کوئی اور زیادہ عرق نکال لے تو کیا آپ کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ لیموں کے اندر کا عرق نہیں ہے بلکہ باہر سے پانی ملایا گیا ہے، خود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے لائے ہوئے علم کے متعلق اسی مشہور تشبیہی بیان میں مختلف صلاحیتوں کے رکھنے والوں کے اعتبار سے مختلف نتائج کے ظہور کا جو اعلان کیا ہے میرا اشارہ صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مثل ما بعثنی اللہ بہ من	خدا نے ہدایت کے جن علوم کو دیکر مجھے مبعوث فرمایا
الھدی کمثل الغیث الکثیر	ان کی مثال ایک ایسی زبردست بارش کی ہے جو کسی زمین پر

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۵۵ مطبوعہ دمشق الشام۔

اصاب ارضا فکان منہا نقیۃ   برسی، پھر اس زمین کا کچھ حصہ تو ایسا تھا کہ (ہر قسم
قبلت الماء فانبتت الکلاء   کی آلائش سے) پاک صاف تھا، اس نے پانی کو قبول
والعشب الکثیر وکان منہا   کیا اور گھاس ہریالی کو اس نے اگایا، اور بعض حصہ اس
اجادب امسکت الماء   زمین کا ایسا سخت تھا جو پانی کو چوس تو نہیں سکتا تھا
فنفع اللہ بہا الناس فشربوا   لیکن اس نے پانی کو روک لیا، پھر اس پانی سے خدا نے
وسقوا وزرعوا واصاب   لوگوں کو فائدہ پہنچایا یعنی خود پیا اور پلایا (جانوروں کو)
منہا طائفۃ اخری   اور کھیتوں کو سینچا، لیکن ایک حصہ اسی زمین کا ایسا بھی تھا
انما ھی قیعان لا یمسک   جو ایک چٹیل میدان تھا جس میں پانی بھی نہ ٹھہر سکا اور
ماء ولا تنبت کلاء فذلک   اور نہ روئیدگی گھاس وغیرہ کی ہو سکی۔ پس اللہ کے دین
مثل من فقہ فی دین اللہ   میں سمجھ بوجھ سے جس نے کام لیا اور خدا نے جس علم کو
ونفعہ بما بعثنی اللہ   دیکر مجھے مبعوث فرمایا اس سے نفع اٹھایا اس کی مثل
بہ۔ [1]   وہی ہے (یعنی پہلے دو حصوں کی)۔

کیا اس صحیح حدیث میں انسانی فطرت کے ان ہی فطری اور قدرتی آثار ونتائج کی صریح لفظوں میں تصریح نہیں فرمائی گئی ہے؟ پھر زمین کے جس حصہ نے کلاء (گھاس) اور عشب (ہریالی) کو اگایا اس کے متعلق دوسرے حصوں کا یہ کہنا کیا صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس بارش کا نتیجہ نہیں ہے جو ہم پر بھی اسی طرح برسی جیسے تم پر برسی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں جس الفقہ اور الاجتہاد کا اعتبار کیا گیا ہے وہ وہی ہے جس کے ذریعہ سے وہی نتائج پیدا کئے گئے ہوں جن پر واقع میں وحی ونبوت کے معلومات حاوی ومشتمل ہوں وہی وہ دین بن سکتا ہے جس کا مطالبہ

ثم جعلنٰک علی شریعۃ من الامر   پھر ہم نے تمہیں الامر کی ایک شریعت پر قائم کیا پس
فاتبعہا ولا تتبع اھواء   اسی کی پیروی کرو، اور جو نہیں جانتے ہیں ان کے

---

[1] جامع بخاری کتاب العلم ص ۱۸۔

الذین لا یعلمون۔ خیالات کے پیچھے نہ جاؤ۔

اور

فلا وربک لا یومنون — اور قسم ہے تیرے رب کی وہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک ان
حتی یحکموک فیما شجر بینھم — امور میں جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں، تجھے فیصلہ قرار نہ دیں، اور جو تم
ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا — فیصلہ کرو اس کے متعلق اپنے دل میں تنگی نہ پائیں اور جھکا دیں
مما قضیت ویسلموا تسلیما — سر پورے طریقے سے جھکانے کی شکل میں،

وغیرہ بیسیوں آیات قرآنی میں کیا گیا ہے، بہرحال ان امور کی تفصیل تو ہم انشاء اللہ آئندہ کریں گے اس وقت تو صرف "الفقہ" کے لغوی اور عام شرعی معنی کی تحقیق مقصود تھی، یعنی یہ بتانا تھا کہ النصوص جن کی تعبیر میں وحی ونبوت کے معلومات سے کر رہا ہوں، ان کے دلالات، اشارات، مضمرات، مقتضیات کا سمجھنا اسی کا نام تفقہ ہے۔

خواہ ان نتائج کا جو اس ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہوں ان کا دین کے کسی شعبہ سے بھی تعلق ہو، یہی وجہ تھی کہ ابتداءِ اسلام میں "الفقہ" کے لفظ کا اطلاق ان تمام نتائج ونظریات، مسائل و احکام پر ہوتا تھا، جو وحی ونبوت کے معلومات سے حاصل کئے گئے ہوں، علامہ ابنِ نجیم حنفی صاب بحر الرائق لکھتے ہیں!

سواء کان من الاعتقادات او الوجدانیات — خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات
او العملیات من ثم سمی الکلام — سے یا عملیات سے، یہی وجہ ہے جو علم کلام کا
فقہا اکبر (بحر ج ۱ ص ۶)۔ — نام "فقہ اکبر" رکھا گیا۔

غالباً وحی ونبوت کے معلومات میں عقل ودانش کے استعمال کرنے کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایران وخراسان بلکہ ہندوستان میں بھی ایک مدت تک ان ہی ممالک کی تقلید میں علماء کو "دانش مند" کے لفظ سے موسوم کیا جاتا تھا، خلجیوں اور تغلقوں کے عہد کے مشہور بزرگ وصوفی حضرت سیدنا نظام الدین المشہور بہ نظام الاولیاء وسلطان جی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات "فوائد الفواد"

(حاشیہ: علماء اسلام کا نام پہلے دانشمند تھا)

مرتبہ حسن علا سنجری میں بکثرت اس اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے، حضرت سلطان جی کی زبانی ایک حکایت درج کرتے ہوئے حسن علا سنجری لکھتے ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا۔

کہ در مدرسہ معزی دانشمندے بود	مدرسہ معزی (شہاب الدین غوری کے لقب معز الدین کی
ورا مولنا زین گفتندے مردے	طرف یہ منسوب تھا اسی مدرسہ میں) ایک دانشمند تھے
دانشمند بود، ہر مسئلہ کہ از وپرسیدندے	جن کا نام مولانا زین الدین تھا یہ شخص ایک صاحب دانش
جواب شافی گفتے و در مباحثہ بعبارت	آدمی تھے جو مسئلہ بھی ان سے پوچھا جاتا تشفی بخش جواب
دانشمندانہ درآمدے [1]	اس کا دیتے، اور بحث مباحثہ میں "دانشمندانہ" طریقہ اختیار کرتے"

اس زمانہ کی تاریخوں، عام کتابوں میں بکثرت " دانشمند" کے اسی لفظ کا اطلاق علماء اسلام پر کیا جاتا تھا خواہ دین کے کسی علم سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔

بہرحال "فقہ" یا "علم الفقہ" کی یہ تو قدیم اصطلاح تھی کہ وحی و نبوت کی معلومات سے جو نتائج بھی پیدا کئے جاتے ہوں خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات یا عملیات سے، سب ہی پر "فقہ" کا اطلاق ہوتا تھا، البتہ عقائد کی اہمیت کے لحاظ سے اس کو فقہ اکبر کہتے تھے، جیسا کہ ابن نجیم کے حوالے سے یہ بات گذر چکی بلکہ عقائد کی مشہور کتاب "الفقہ الاکبر" جس کے متعلق مشہور ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور یہ نام ان ہی کا رکھا ہوا ہے۔

مگر بعد کو اصطلاح بدل گئی اور جیسا کہ ابن نجیم ہی نے لکھا ہے یہ اصطلاح جاری ہوئی یعنی ان مسائل میں سے جن کا تعلق

من الاعتقادیات علم الکلام — اعتقادات سے ہو، اسے علم الکلام کہنے لگے۔

یوں ہی "الوجدانیات" جس کی تعریف بحر ہی میں یہ ہے۔

الاخلاق الباطنة والملکات النفسانیة — باطنی اخلاق اور نفسانی ملکات (فطری عواطف ورجحانات)

ان سے جن مسائل کا تعلق تھا ان کو علم الاخلاق والتصوف کہنے لگے۔ ابن نجیم لکھتے ہیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۲۔

والوجدانیات ھی علم الاخلاق	ان میں سے جن کا تعلق وجدانیات سے تھا اسے
والتصوف کالزھد والصبر	علم اخلاق اور تصوف کا نام دیا گیا۔ مثلاً زہد،
والرضا وحضور القلب فی	صبر، رضا، نماز میں حضور قلب، اور اسی قسم کے
الصلوٰۃ ونحو ذلک۔	مسائل

آخر میں "العملیات" کا نام صرف "فقہ" رہ گیا ان ہی کی عبارت ہے۔

من العملیات ھی الفقہ	اور جن کا تعلق عملیات سے تھا اصطلاحی فقہ اب
المصطلح	ان ہی مسائل کا نام ہے۔

اپنے اس فقرہ میں صاحب بحر الرائق نے مطلقاً "العملیات" جو ہر قسم کے دینی عمل کو شامل ہے، سب کو "الفقہ" کے نیچے داخل کر دیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جیسا کہ خود ان ہی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ "الفقہ" یا "علم الفقہ" کا اطلاق پچھلے دنوں میں "العملیات" کی بھی چند مخصوص شاخوں تک محدود ہو کر رہ گیا، ابن نجیم ہی نے ان عملی شعبوں کو جن سے فقہی مسائل کا تعلق ہے کلی طور پر تین حصوں یعنی العبادات۔ المعاملات۔ المزاجر میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے ذیلی ابواب کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

فالعبادات خمسۃ الصلوٰۃ	عبادات (یعنی بندے اور خدا کے تعلقات پر جن اعمال کی بنیاد ہے)
والزکوٰۃ والصوم والحج	وہ پانچ ہیں، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد۔ اسی طرح معاملات
والجہاد والمعاملات	(یعنی باہم انسانی تعلقات پر جن اعمال کی بنیاد ہے) وہ بھی
خمسۃ المعاوضات	پانچ ہیں مالی معاوضات (جیسے خرید و فروخت کرایہ وغیرہ)
المالیہ والمناکحات	مناکحات (شادی بیاہ اور اس کے متعلقات) مخاصمات
والمخاصمات والامانات	(جیسے دعویٰ، شہادت، قضا وغیرہ) امانات (جیسے عاریت
والترکات والمزاجر	ودیعت وغیرہ) ترکات (میراث کے مسائل) یوں ہی مزاجر
خمسۃ مزجرۃ قتل النفس	یعنی انسداد جرائم سے جن قوانین کا تعلق ہے ان کی بھی

مزجرۃ اخذ المال پانچ ہی قسمیں ہیں، جان مارنے کے مزجرہ، جیسے (قصاص دیات و
مزجرۃ ھتک معاقل وغیرہ کے مسائل) مال مارنے کے مزاجر اور سزائیں جیسے
الستر مزجرۃ ھتک (چوری ڈاکہ وغیرہ کے انسدادی قوانین) کسی کے عیب یا پوشیدہ
العرض، مزجرۃ باتوں کے افشار کی سزا مثلاً قذف کی حدو سزا، آبروریزی کے
قطع البیضۃ۔ متعلقہ مزاجر مثلاً زنا کے حدود، البیضہ (یعنی اسلامی حدود) کے
قطع اور توڑنے کے متعلقہ مزاجر مثلاً ارتداد وغیرہ کی سزا۔

کیا اجتہاد و تفقہ ان ہی عملی مسائل کے ساتھ مخصوص ہے

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حسی معلومات و محسوسات تک تو ہر اس شخص کی رسائی ہوتی ہے ہو سکتی ہے جو اپنے پاس حواس رکھتا ہو، اسی طرح کچھ نہ کچھ عقلی نتائج ان معلومات سے سب ہی حاصل کرتے ہیں لیکن ان معلومات سے ایسے مجتہدانہ نکات و نظریات کا پیدا کرنا جن سے کوئی خاص فن مدون ہو سکتا ہو، یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں، بلکہ یہ ان ہی مخصوص فطرتوں کا قدرتی حصہ ہے جن کے عقول میں اس کا خداداد سلیقہ ہو، میں نے کہا تھا کہ یہی حال وحی و نبوت کی معلومات کا ہے کہ جن مسائل و تفریعات نتائج و مضمرات پر وہ مشتمل ہیں ان کا تفقہ اور ان کا سمجھ لینا، سمجھ کر بیان کرنا ہر شخص کا کام نہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہے اور آئندہ معلوم ہوگا کہ اسلام کی تاریخ بھی انسانی فطرت کے اسی قدرتی قانون کی توثیق کر رہی ہے۔

مگر اس کے ساتھ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ تفقہ و اجتہاد کے اس کام کو وحی و نبوت کے ان ہی معلومات تک کیوں محدود سمجھا جاتا ہے، جن کا تعلق مذکورہ بالا چند عملی شاخوں سے ہے۔ حسب النصوص" یعنی الکتاب والسنۃ یا قرآن و حدیث کے ارشادات و دلالات مضمرات و مقتضیات کا سمجھنا ہی فقہ ہے۔ جیسا کہ ابھی حاوی قدسی کی جو عبارت میں نے نقل کی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن جن مواقع پر دین کے تفقہ کا ذکر فرمایا ہے جن میں بعض حدیثیں گذر چکیں ان میں بھی کسی خصوصیت کی طرف نہیں

اشارہ کیا گیا ہے۔

ایسی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا علمی شعبوں کے سوا جن کے ساتھ اس زمانہ میں تفقہ کو محدود کر دیا گیا ہے، نصوص (قرآن و حدیث) یا وحی و نبوت کے معلومات کا جو ایک بڑا ذخیرہ باقی رہ جاتا ہے، ان کے اشارات و دلالات مضمرات مقتضیات کے سمجھنے اور ان سے نتائج پیدا کرنے کا دروازہ بند کیسے کیا جا سکتا ہے، یا نصوص کے اس حصہ سے نتائج پیدا کرنے پر تفقہ و اجتہاد کا اطلاق کیوں جائز نہ ہو گا۔

سچی بات تو یہی ہے کہ یوں اصطلاحاً "تفقہ" و "اجتہاد" خاص قسم کے مسائل کے سمجھنے کا نام اگر رکھ دیا گیا ہے تو خیر یہ ایک اصطلاحی بات ہو گی ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ورنہ اس سلسلہ میں واقعہ وہی ہے، جس کی طرف حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "عبقات" میں بایں الفاظ اشارہ فرمایا ہے۔

ليس الاجتهاد عندنا منحصرا	ہمارے نزدیک "الاجتہاد" خاص اس علم میں منحصر نہیں ہے
في الفقه المصطلح بل له	جسے اصطلاحاً فقہ کہتے ہیں، بلکہ "اجتہاد" کا تعلق ہر
عموم في كل فن، نعم	فن سے ہے، البتہ ہر فن کے ماہرین نے اس باب میں یعنی
لكل اهل فن طريق علحدة	شریعت نے جن امور کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے ان کا
في الحاق المسكوت	حکم ان چیزوں سے نکالنا اور ان کے ساتھ ملحق کرنا، جن کی
بالمنطوق۔ (ص ۱۳۲)	تصریح کی گئی ہے، اپنا اپنا الگ طریقہ اختیار کیا ہے۔

مولانا نے اس دعویٰ کے بعد یعنی انسان کی پانچ باطنی اور اندرونی قوتوں عاقلہ، محرکہ متخیلہ، واہمہ، قلبیہ، کے متعلق یہ بتاتے ہوئے کہ وحی و نبوت کے معلومات کا ان میں سے ہر قوت کی تصحیح و تربیت نشو و نما سے تعلق ہے اور ہر قوت کے متعلقہ نصوص سے ارباب اجتہاد و تفقہ نے نظریات و نتائج پیدا کر کے مستقل فنون مدون کئے ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ نام رکھا گیا ہے مولنا اپنے الفاظ میں اس تقسیم کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

انسان کی عقلی اور ذہنی قوت کی تربیت وتہذیب سے جس فن کا تعلق ہے اسی کا نام علمِ کلام ہے، بشرطیکہ ان اعتقادی مسائل میں جن کی شریعت نے تصریح کی ہے ان کی تشریح وتفصیل میں عقل سے کام لیا جائے اور بجائے عقل کے اگر اس راہ میں کشف سے مدد حاصل کی جائے تو اس کا نام تصوف ہے۔	ما یتعلق بتھذیب العاقلة بالکلام ان استعین فی تفصیل الاعتقادات المنصوصة بالعقل و بالتصوف ان استعین بالکشف۔

آگے تصوف اور "المعرفت" کے فرق کو واضح فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

لوگوں نے اس علم کا نام جس کا تعلق آدمی کی قوتِ محرکہ (عملیہ) سے ہے الفقہ رکھا ہے اور تخیل کی قوت کی تربیت سے جس علم کا تعلق ہے اس کا آداب تصفیہ و عزلت نام ہے اور آدمی کی قوت واہمہ کی تصحیح سے جس کا تعلق ہے اسی کا نام فن الاشغال والمراقبات والنسب ہے اور جس علم کا تعلق قلب سے ہے اس کا نام فن سلوک ہے جس میں انسانی اخلاق اور ملکات واحوال و مقامات سے بحث کی جاتی ہے۔	وسموا ما یتعلق بالمحرکة بالفقہ وما یتعلق بالمتخیلة باداب التصفیہ والعزلة وما یتعلق بالواھمة بفن الاشغال و المراقبات والنسب و ما یتعلق بالقلب بفن السلوک الباحث عن الاخلاق والملکات و الاحوال والمقامات۔

اور جب حقیقت حال یہ ہے، تو پانچ مستقل قوتوں کے متعلقہ علوم میں سے صرف ایک قوت محرکہ یا عملی قوتِ سے نصوص یا قرآن وحدیث کے جس حصہ کا تعلق ہے تفقہ واجتہاد کو محض اسی کی حد تک محدود کردینے کے آخر کیا معنی ہوسکتے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ العملیات جنھیں اس زمانہ میں علم الفقہ کہتے ہیں اس علم کے مسائل قرآن کی جن آیتوں سے مستنبط ہیں، ان کی واقعی تعداد بہ مشکل ڈیڑھ سو تک پہنچتی ہے۔ ملا جیون نے اپنی کتاب "تفسیرات احمدیہ" میں امام غزالیؒ کا یہ قول نقل کرکے کہ فقہی احکام جن آیتوں سے نکالے جاسکتے ہیں ان کی تعداد پانچسو کے

قریب ہے، لکھا ہے۔

ان المصرح فیھا المسائل ما ئتہ وخمسون (ص ۸) درحقیقت احکام کا صراحتہً بیان جن میں ملتا ہے ان آیتوں کی تعداد کل ڈیڑھ سو ہے۔

اور اسی کی تصریح السیوطی نے اتقان میں بھی کی ہے، غالباً امام نے فقہی آیتوں کی تعداد جو اتنی بڑھادی ہے ان میں انھوں نے ان آیتوں کو بھی شمار کر لیا ہے جن سے بعض مسائل کی طرف ضمناً اشارہ ملتا ہے، مثلاً ابو لہب کی بیوی ام جمیلہ کو قرآن میں "امرأتہ" (اس کی عورت) قرار دیا گیا ہے، بعض فقہا نے اس سے یہ مسئلہ نکالا کہ غیر مسلموں کا نکاح بھی عورت کو بیوی بنا لینے کے لئے کافی ہے، اور وہ اس کی قانونی بیوی قرار پائے گی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایک بعید ترین استنباط ہے، مسئلہ بجائے خود صحیح ہے لیکن اس کے تصریحی دلائل دوسرے ہیں، البتہ ان کی تائید اس اجتہاد سے بھی ہو سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صراحتاً فقہی احکام کی اساسی آیتوں کی تعداد درحقیقت وہی مأۃ وخمسون (۱۵۰) ہے اور یہی حال حدیثوں کا بھی ہے کہ حدیث کے اتنے عظیم ذخیرہ میں سے فقہی مسائل کا جن حدیثوں سے صراحتہً تعلق ہے ان کی تعداد جیسا کہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے آئندہ بھی اس کا تذکرہ آئے گا، بمشکل پانچسو سے متجاوز ہو سکتی ہے۔ گو ذیلی تشریحات میں جن سے مدد ملتی ہے، ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے، لیکن جن کی حیثیت قانون کے اساسی سرچشمہ کی ہو سکتی ہے وہ پانچ سو سے زیادہ نہیں ہیں۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ وحی و نبوت کی راہ سے علم کا جو قیمتی سرمایہ بنی آدم کو ملا اس کے اتنے قلیل حصہ کو کار آمد قرار دے کر نظر و فکر اجتہاد و تفقہ کی ساری قوتوں کو ان ہی میں گم کر دینا اور ان کے سوا قرآنی آیتوں کی بہت بڑی مقدار، اور کتنی بڑی مقدار یعنی ڈیڑھ سو آیتوں کے سوا سب کچھ اسی طرح پانچسو حدیثوں کے سوا حدیثوں کا سارا دفتر، ان کے متعلق نہ یہ سمجھنا صحیح ہو سکتا ہے کہ جس طرح فقہی آیتوں میں سے ایک ایک آیت سے بیسیوں مسائل نکالے گئے ہیں

اسی طرح غیر فقہی آیتوں سے مسائل نہیں پیدا ہو سکتے، اور نہ یہ خیال کرنا درست ہے کہ امت میں تیرہ سو سال کے اندر کسی کی توجہ ان غیر فقہی آیتوں کی طرف نہیں ہوئی، اور جیسے قرآن کے متعلق یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے، یہی حال حدیثوں کا بھی ہے، بلکہ واقعہ وہی ہے جو مولانا اسماعیل نے فرمایا ہے۔

"اجتہاد میرے نزدیک کچھ اسی علم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جسے اصطلاحاً فقہ کہتے ہیں، بلکہ ہر فن کے لئے عام ہے۔"

آخر سوچنے کی بات ہے کہ ایک "قوتِ محرکہ" کو تو اتنی اہمیت دینی اور انسانی فطرت کی دوسری چار مسلم قوتوں کو ناقابلِ لحاظ قرار دینا کہاں تک درست ہو سکتا ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ "قوتِ محرکہ" کے مقابلہ میں مولانا نے جن چار قوتوں کا تذکرہ کیا ہے، انسانیت کی تکمیل اور انسانی فطرت کی صلاحیتوں کے ابھارنے کے لئے ان کی تربیت و پرداخت کی زیادہ ضرورت ہے

مگر عجیب اتفاق ہے کہ صرف ایک اصطلاحی مغالطہ نے یعنی محض "قوت محرکہ" کے متعلق نصوص سے مسائل و جزئیات کے پیدا کرنے کا نام چونکہ اجتہاد رکھدیا گیا اس لئے جن بزرگوں نے اس کام کو اپنے اپنے زمانے میں انجام دیا، ان ہی کو "ائمہ مجتہدین" کے نام سے مشہور کر دیا گیا، رفتہ رفتہ بات یہاں تک پہنچی کہ ان کے سوا دوسری قوتوں کے متعلقہ نصوص پر کام کرنے والے اکابر کے متعلق لوگوں کا ادھر دھیان بھی نہیں جاتا کہ اجتہاد کا انھوں نے بھی کوئی کام انجام دیا ہے یا نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام مسلمانوں میں انبیا اور صحابہ کے بعد ائمہ مجتہدین ہی کا درجہ دین میں اہم سمجھا جاتا ہے، اور ائمہ مجتہدین کے لفظ کو صرف انہی اکابر تک محدود کر دیا گیا ہے۔ جن کا تعلق قوتِ محرکہ یا العملیات کے متعلقہ مسائل کے اجتہاد و استنباط و تنقیح و تدوین سے تھا اور "شریعت" جو وحی و نبوت کے تمام علوم کو حاوی ہے، خواہ ان کا تعلق محرکہ سے ہو، یا مذکورۂ بالا قوتوں میں سے کسی اور قوت سے، اس کے دائرہ میں اتنی تنگی پیدا کی گئی کہ ان عملی مسائل کے سوا عوام میں بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ (العیاذ باللہ) قرآن کی ہزارہا ہزار آیات اور پیغمبر کی

ہزار ہا ہزار حدیثوں میں ان مسائل کے سوا جو کچھ ہے وہ نہ شریعت ہے اور نہ دین، حالانکہ جب قرآن کے ایک بڑے حصہ کا اور حدیثوں کے اہم ذخیروں کا تعلق انسانی فطرت کی انہی دوسری قوتوں سے تھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا انسانیت کی تکمیل بغیر ان قوتوں کی تصحیح کے ناممکن تھی قدرتاً ہر زمانے میں لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی لیکن اصطلاحی شریعت جن مسائل کا نام پڑ گیا تھا اس کے دائرہ سے چونکہ وہ چیزیں باہر تھیں، اس عجیب و غریب لفظی مغالطہ نے اس بے معنی جھگڑے کو مسلمانوں میں چھیڑ دیا جسے شریعت و طریقت و حقیقت اور خدا جانے کن کن الفاظ سے مختلف زمانوں میں ادا کیا گیا شریعت والے ان کا مضحکہ اڑاتے تھے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا پتہ ہماری کتابوں میں نہیں، جواباً ادھر سے یہ کہا گیا کہ تم بھی جن مشغلوں میں مبتلا ہو ان کا نشان ہماری کتابوں میں نہیں ملتا، فقہاء نے اپنے علم کا نام شریعت رکھدیا تھا، اس کے مقابلہ میں دوسری قوتوں پر بحث کرنے والوں نے اپنے فن کا نام طریقت، حقیقت، معرفت وغیرہ رکھدیا، دونوں فرقوں میں صدیوں سے مخالفت کا بازار گرم ہے، ہر ایک دوسرے پر غرا رہا ہے ور یہ سب کچھ صرف ایک اصطلاحی جھگڑے کا نتیجہ ہے ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

کہ قوت محرکہ کے متعلقہ مسائل ہوں یا انسانی فطرت کی دوسری قوتوں سے جن مسائل و جزئیات کا تعلق ہے دونوں کا حال یہ ہے کہ

من مسائل کل علم من العلوم الخمسۃ ما ھی مقطوع بھا، وھی المنصوصات و منھا ما ھی مظنون، وھی ما حصلت بتفریع الائمۃ، فسبیلھا سبیل	ان پانچوں علوم کے مسائل میں بعض مسائل تو ایسے ہیں جن کا شریعت کی طرف انتساب قطعی اور یقینی ہے منصوصات ان ہی کا نام ہے یعنی صراحۃ جن کا ذکر شریعت میں پایا جاتا ہے لیکن ان ہی علوم میں ہر علم کے بعض مسائل ایسے ہیں جن کا شریعت کی طرف انتساب بظن غالب کیا جاتا ہے اور یہ مسائل کا وہ ذخیرہ ہے جسے ائمہ کی تفریع اور اجتہاد

المسائل القیاسیۃ التی　نے پیدا کیا ہے تو ان ثانی الذکر مسائل کی حالت
تحمل الخطاء　وہی ہوگی جو عام قیاسی مسائل کی ہے جن میں خطاء
الصواب۔　وصواب دونوں باتوں کا احتمال ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح فقہی مسائل کا ایک حصہ تو وہ ہے جن کا قرآن وحدیث میں صراحۃً ذکر ہے، ان کے قطعی ہونے میں کون کلام کرسکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کی تعداد تو بہت تھوڑی ہے، کوئی سی فقہ ہو، حنفی ہو یا شافعی یا مالکی ہر ایک میں بڑا حصہ تو ان ہی مسائل کا ہے جو نظر و فکر اجتہاد و تفقہ سے حاصل کئے گئے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اجتہادی مسائل بہرحال اجتہادی ہیں، ان کے متعلق قطعی فیصلہ یقینی ہونے کا نہیں کیا جاسکتا۔

پھر یہی حال تو ان مسائل کا ہے جن کا تعلق بجائے قوتِ محرکہ کے دوسری قوتوں سے ہے یعنی تصوف، سلوک، اخلاق وغیرہ کی کتابوں میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بھی بعضوں کا ذکر صراحۃً قرآن وحدیث میں کیا گیا ہے اور مسائل وجزئیات کا ایک بڑا حصہ ان فنون میں بھی قرآن وحدیث کے ان ہی اساسی تصریحات کو پیشِ نظر رکھکر پیدا کیا گیا ہے، جیسے "فقہ" میں قیاسی مسائل کا اضافہ فقہ کے ائمہ مجتہدین نے کیا ہے، پھر جو حال فقہ کے ان اجتہادی مسائل کا ہے وہی مقام سلوک و تصوف وغیرہ علوم کے اجتہادی مسائل کو دینا چاہیئے، تصوف یا سلوک کے مسائل پر اس لئے قہقہہ لگانا کہ ان کا صراحۃً ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ متاخرین فقہا جنھوں نے زبردستی اپنے فن کا نام شریعت رکھ لیا ہے اور اسی کو کامل شریعت سمجھے بیٹھے ہیں اگر ان کا یہ اعتراض تصوف و سلوک کے مسائل پر اس لئے کیا جاتا ہے کہ صراحۃً شرعی نصوص میں ان کا ذکر نہیں ہے تو کیا بجنسہ یہی اعتراض فقہ کے ان اجتہادی مسائل پر وارد نہیں ہوتا جن کا ذکر بھی صراحۃً شرعی نصوص میں نہیں ملتا، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک "قوت محرکہ" کی متعلقہ آیات اور حدیثوں سے جن بزرگوں نے اجتہادی مسائل پیدا کئے ان کو تو مجتہد اور مجتہد مطلق اور مختلف خطابات دیئے جاتے ہیں اور بلاشبہ وہ ان خطابات کے قطعاً مستحق تھے، لیکن اسی کے مقابلہ میں

جن بزرگوں اور اسلاف کی گراں مایہ ہستیوں نے بجائے "قوت محرکہ" کے "قوتِ قلبیہ" "قوتِ واہمہ متخیلہ" وغیرہا کے متعلقہ آیات واحادیث سے مسائل وجزئیات نکالے ان کے مجتہد وامام ہونے میں نہ معلوم کیوں شک کیا جاتا ہے۔

وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون۔ اور بنایا ہم نے ان میں پیشواوں (ائمہ) کو وہ ہمارے امر حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں (امامت ان کو اسی لئے ملی) کہ انھوں نے صبر سے کام لیا اور ہماری باتوں کا یقین کیا۔ (سورہ الم سجدہ)

کی قرآنی آیت میں حق تعالیٰ کے امر کے مطابق بنی آدم کی راہنمائی کو استحقاقِ امامت کا اگر ذریعہ ٹھہرایا گیا ہے تو سوال ہوتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اگر امر حق کے مطابق لوگوں کی ہدایت فرمائی اور یقیناً فرمائی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے تو پھر بایزید بسطامی، سید الطائفہ جنید وشبلی شیخ عبدالقادر جیلانی شیخ ابوالحسن الشاذلی، شیخ معین الدین الاجمیری، شیخ بہاء الدین نقشبند، شیخ شہاب الدین سہروردی امام غزالی، شیخ اکبر ابن عربی، مولانا روم وغیرہم حضرات نے کیا بنی آدم کی راہنمائی حق تعالیٰ کے امر کے مطابق نہیں فرمائی ہے، یقیناً "فقہ" میں قوت محرکہ کے متعلقہ نصوص سے جس طرح جزئیات نکالے گئے اسی طرح قرآن وحدیث کے کلی نصوص کو پیشِ نظر رکھ کر ان بزرگوں نے بھی انسانی فطرت کی دوسری قوتوں کی تربیت فرمائی ہے، اگر فقہ کے اجتہادی مسائل باوجود غیر قطعی اور غیر منصوص ہونے کے شریعت ہیں تو ان بزرگوں کے اجتہادی نظریات وافکار کو آخر کس دلیل سے شریعت کے دائرہ سے باہر کیا جا سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)